Research Journal MA'ARIF-E AULIYA

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)

ISSN: (2311-6552)

Published:
June 26, 2025

A Research and Critical Study of Orientalists' doubts about the Islamic Theory of Jihad

اسلام کے نظریہ جہاد پر مستشرقین کے شبہات کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

Dr. Riaz Ahmed
Principal, Jamia Hujveria
Auqaf & Religious Affairs Department, Lahore
Email: riazahmad030142@gmail.com

Abstract

Islam is a religion of peace and security that teaches its followers to live harmoniously and promote well-being among all. The literal meaning of the word “Islam” is peace, which reflects the essence of tolerance, love, balance, moderation, and patience within its teachings. According to the Qur’an and Hadith, a true Muslim is someone who embodies sincerity and safety for all of humanity and is completely free from terrorism. However, Orientalists’ view the conflict between truth and falsehood through a biased perspective. They completely ignore the oppression of the disbelievers of Makkah, the betrayal of the Jews of Medina, and the destructive plans of the enemies of Islam. In contrast, they portray the Muslims' defensive actions in response to these threats as acts of cruelty. They mislabel the strategic missions sent by Prophet Muhammad ﷺ to defend the state of Medina as raids or aggression. Moreover, they ignore the 13 years of persecution faced by the Muslims in Makah and describe the Muslims’ responses as provocative. They also overlook the exceptional kindness shown by Muslims towards the prisoners of the Battle of Badr, focusing instead on the isolated execution of two war criminals, using these cases to falsely accuse Islam of terrorism.

Keywords: Islam, Peace and security, Tolerance, Moderation, Humanity, Terrorism, Orientalists, Propaganda, Conflict of truth and falsehood, Disbelievers of Makkah, Betrayal.

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

اسلام، دینِ امن و سلامتی ہے اور دوسروں کو بھی امن و عافیت کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ ”اسلام“ کے لغوی معنی ”سراسر امن“ ہے۔ گویا اس میں امن و سلامتی، رواداری، محبت، اعتدال، توازن اور صبر و تحمل اس میں شامل ہیں۔ قرآن و حدیث میں اگر ”مسلم“ کی تعریف کی جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک مسلمان وہ ہے جو تمام انسانیت کے لیے پیکرِ اخلاص و سلامتی ہو اور دہشت گردی سے منزّہ ہو۔

مستشرقین کفارِ مکہ کی زیادتیوں، یہودانِ مدینہ کی عہد شکنیوں اور دشمنانِ اسلام کے تباہ کن عزائم کو کلیۃً نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان قوتوں کے مظالم اور ریشہ دوانیوں کے جواب میں اپنے دفاعی نقطۂ نظر کے تحت مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں، انہیں ظالمانہ کارروائیاں گردانتے ہوئے، حق و باطل کی اس آویزش کو اپنے متعصبانہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہیں۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ریاستِ مدینہ کے دفاع کے لیے مختلف مقاصد کے تحت مہمات بھیجنے کا جو نظام وضع فرمایا تھا، مستشرقین ان مہمات کو ظلم قرار دیتے ہیں۔ وہ اہل مکہ کی تیرہ سالہ کارروائیوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور کفارِ مکہ کے مظالم اور جارحیت کے جواب میں مسلمانوں نے جو کارروائیاں کیں، یہ ان کی اشتعال انگیزیاں تھیں۔ وہ اسیرانِ بدر کے ساتھ مسلمانوں کے بے نظیر رحیمانہ سلوک کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور جن دو قیدیوں کو ان کے سیاہ کارناموں کی وجہ سے موت کی سزا دی گئی تھی، ان کے اس معاملہ کو اسلام پر دہشت گردی کا الزام لگانے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

”اسلام“ کا لغوی مفہوم:

لفظِ ”اسلام“ مصدر ہے اور یہ سَلِمَ یَسْلَمُ سَلَامًا و سَلَامَة سے ماخوذ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا ہے کہ:

”اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآ فَّۃً“ ([i])

”اسلام (سلامتی) میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔“

یہاں السِّلْم کا معنی ابو عمرو نے اسلام کیا ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کی حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہ وَیَدِہ۔ ([ii])

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سلامتی کے ساتھ رہیں۔“

لہٰذا کسی انسان کے اسلام میں داخل ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بابِ سلامتی میں داخل ہو گیا ہے تا کہ لوگ اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں۔ ابو منصور

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

محمد الازہریؒ (۲۸۲-۳۷۰ھ) ''تہذیب اللغۃ'' میں بیان کرتے ہیں کہ ابو اسحاق الزجاج نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس فرمان:

''فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ''([iii])

''تو آپ (ان سے شفقتاً) فرمائیں کہ تم پر سلام ہو، تمہارے ربّ نے اپنی ذات (کے ذِمہء کرم) پر رحمت لازم کرلی ہے''۔

کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ محمد بن یزید کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ لغتِ عرب میں ''سَلام'' کے چار معانی ہیں:

۱۔ سَلام: سَلمت سے مصدر ہے۔

۲۔ سَلام: سَلامَة کی جمع ہے۔

۳۔ اللہ عزو جل کے اَسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم مبارک ہے۔

۴۔ یہ ایک شجر (درخت) کا نام ہے جو ہمیشہ سایہ دار رہتا ہے۔

زجاج لکھتے ہیں: سَلام جو سَلَّمْت کا مصدر ہے، دعا کے معنی میں، کہ وہ آفات سے محفوظ رہے۔([iv])

جنت کو بھی ''دَ ا رُ السَّلَامِ'' بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں کسی کے لیے نہ فنا ہے، نہ موت ہے، نہ خوف ہے اور نہ غم۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ([v])

''انہی کے لیے ان کے ربّ کے حضور سلامتی کا گھر ہے۔''

اور اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

وَااللّٰه ءيَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ۔([vi])

''اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔''

حقیقی سلامتی فقط جنت میں ہے اور اس میں بقا ہے، فنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا مَنْ اَتَى االلّٰه بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ ([vii])

''مگر وہی شخص نفع مند ہوگا جو اللہ (کی بارگاہ میں) سلامتی والے (بے عیب دل) کے ساتھ حاضر ہوا۔''

یعنی ایسا دل جو ظلم و فساد سے خالی ہو۔ پس یہ سلامتی باطن کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کے اِرشاد: ''مُسَلَّمَة لَّا شِيَةَ فِيْهَا''([viii]) میں سلامتی کا

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔اسی طرح ''السلام '' کا ایک اور معنی ''سرسبز درخت'' ہے۔ ''لسان العرب''اور ''تہذیب اللغۃ'' میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے:

اَلسَّلَامُ شَجَرٌ عَظِیْمٌ وَھَوَ أَبَدًا أَخْضَرُ (ix)

''سلام ایسا شجر عظیم ہے جو ہمیشہ سرسبز و شاداب رہتا ہے۔''

آئمہ لغت نے اس کی وجہ یہی لکھی ہے۔ یہ درخت آفات، خشک ہونے، جلنے سے محفوظ رہتا ہے۔

لفظِ ''اسلام'' پر لغوی بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام کلیتاً امن و سلامتی، خیر و عافیت اور حفظ و امان کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام فساد و ہلاکت سے نہ صرف محفوظ ہونے کا نام ہے ،بلکہ ہر انسان کے تحفظ کا نام اسلام ہے۔ یعنہ بلا وجہ کسی پر ظلم و بربریت کا نام اسلام نہیں نہ ہی اہل حق اسلام ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث میں اس کی اجازت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِہ وَ یَدِہ۔(x)

''مسلمان وہ ہے جس نے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے دوسرے مسلمانوں کو محفوظ رکھا۔''

حضرت ابو موسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قُلْتُ : یَا رَسُولَ اللهِ(ﷺ)! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ؟ قَالَ : مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَیَدِہٖ۔''(xi)

''میں نے (نبی اکرم ﷺ سے) عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ)! کون سا اسلام افضل ہے؟ (آپ ﷺ نے) فرمایا: (بہترین اسلام اس شخص کا ہے) جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلام کا واضح تصور(Crystal Clear Vision) دیتے ہوئے فرمایا کہ بہترین اسلام ان لوگوں کا ہے جن کے ہاتھ اور زبان سے تمام طبقاتِ انسانی محفوظ رہی. یعنی جو بقائے باہمی، محبت و رواداری، تحمل و برداشت اور بین المذاہب رواداری کے علم بردار ہوں۔ اس کے برعکس اگر کوئی تبلیغ و تنفیذِ دین کے لیے انتہا پسندی، نفرت و تعصب، افتراق و انتشار اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرے اور پُرامن شہریوں کا خون

بہائے، تو ایسے لوگ، چاہے ظاہری طور پر اعمال شرعی کے پابند ہی کیوں نہ ہوں، ان کا دعویٰ اسلام ہر گز پسندیدہ اور مقبول نہیں ہو سکتا، کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حقیقی اسلام کو پرکھنے کا معیار بنیادی طور پر امن و سلامتی کو قرار دیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ بالا احادیث میں بعض مقامات پر مطلقاً لفظ ''اَلنَّاس'' استعمال کر کے اس حقیقت کی طرف بھی واضح اشارہ فرمادیا ہے کہ مسلمان اور مومن صرف وہی شخص ہو گا جس سے بلا تفریقِ دین و مذہب، ہر شخص کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ ہو۔ لہٰذا جو شخص آدمیت وانسانیت کا احترام ملحوظ نہ رکھے اور قتل وغارت گری، فساد انگیزی اور جبر و تشدد کا راستہ اختیار کرے، وہ کتنی ہی عبادت و ریاضت کرے، مومن نہیں ہو سکتا۔ تمام عبادات کی بجاآوری کے باوجود اگر اس سے لوگوں کی جان ومال محفوظ نہ ہوں تو یہ تمام عبادات اسے اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں، کیونکہ حقیقی فلاح کا انحصار محض ظاہری عبادات پر نہیں، بلکہ قلبِ سلیم پر ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ االله عزوجل لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَ اَمْوَالِكُمْ ، وَ لٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَ اَعْمَالِكُمْ۔(xii)

''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اموال کو نہیں دیکھتا، بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

یعنی اگر اندر کا انسان نہیں بدلا، وہ وحشی اور درندہ ہے تو باہر کے انسان کو جتنے بھی پارسائی کے لبادے اوڑھا لیں، اس سے اللہ کو ہر گز دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔

''جہاد'' کا لغوی معنیٰ:

علامہ سید زبیدی لکھتے ہیں: جَہْد اور جُہْد کا معنی طاقت، وسعت اور کسی کام میں مبالغہ کرنا ہے۔ جُہْد کا معنی مشقت ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری نے کہا ہے کہ حدیث میں جَہْد اور جُہْد کا لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ جُہْد کا معنی مشقت اور جَہْد کا معنی وسعت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ دونوں لفظ وسعت اور طاقت کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں، لیکن مشقت کے معنی میں صرف جُہْد ہی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ۔(xiii)

''وہ لوگ جو صرف اپنی مشقت سے کمائی حاصل کرتے ہیں''

فرّاء نے کہا ہے کہ اس آیت میں جُہْد طاقت کے معنی میں ہے۔کہا جاتا ہے کہ ''ھذا جُھْدی''(یہ میری طاقت ہے)۔''جہاد'' دشمن سے قتال کو کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے:

وَ جَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔(xiv)

''اللہ کی راہ میں دشمنوں سے اس طرح قتال کرو، جو قتال کا حق ہے۔''

کہا جاتا ہے:''جاھد العدو''۔یعنی اس نے دشمن سے قتال کیا۔اور حدیث مبارکہ ہے:

لا هجرة بعد الفتح ولكن جهاد و نية۔(xv)

''فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت ہے''

اور جہاد کا معنی ہے؛دشمنوں سے جنگ کرنے میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا،اور نیت،اللہ کے لیے اخلاص عمل کو کہتے ہیں۔علامہ راغب اصفہانیؒ نے بیان کیا ہے کہ:

''جہاد کی حقیقت یہ ہے کہ خواہش کے خلاف اپنی طاقت اور وسعت کو خرچ کیا جائے،اور اس کی تین قسمیں ہیں؛ظاہری دشمن سے جہاد کرنا،شیطان سے جہاد کرنا اور نفس سے جہاد کرنا،اور یہ تینوں قسمیں اس آیت میں داخل ہیں۔'' (xvi)

''جہاد'' کا شرعی معنی:

علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ جہاد کا شرعی معنی ہے؛اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے (یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے) کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔ اور جہاد فی اللہ کا معنی ہے؛احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے کے لیے نفس کو تھکانا اور اتباعِ شہوات اور میلانِ لذات میں نفس کی مخالفت کرنا۔علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جہاد کا شرعی معنی ہے: اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے جان،مال اور زبان کو انتہائی وسعت اور طاقت سے خرچ کرنا۔(xvii)

فرضیتِ جہاد کے تدریجی مراحل:

شمس الائمہ سرخسی حنفی لکھتے ہیں کہ مشرکین کو دین اسلام کی دعوت دینا واجب ہے اور جو مشرکین اس دعوت کو قبول نہ کریں،ان سے قتال کرنا واجب

ہے کیونکہ تمام آسمانی کتابوں میں اس امت کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ یہ امت نیکی کی دعوت دیتی ہے اور برائی سے روکتی ہے، اسی بناء پر اس امت کو خیر الامم قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (xviii)

"اور جو اُمتیں لوگوں کے لیے ظاہر کی گئیں ہیں) تم ان میں سب سے بہترین اُمت ہو، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔"

اور سب سے بڑی نیکی اللہ تعالی پر ایمان لانا ہے، اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ نیکی کی دعوت دے اور نیکی کا حکم دے اور سب سے بڑی برائی شرک ہے خصوصاً وہ لوگ جو عناداً شرک کرتے ہوں، اس لیے ہر مومن پر لازم ہے کہ وہ حسب استطاعت لوگوں کو شرک سے روکے۔

رسول اللہ ﷺ کو ابتداءً مشرکین سے اعراض کرنے اور ان سے در گزر کرنے کا حکم دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۔(xix)

" آپ حسن وخوبی کے ساتھ ان سے در گزر کیجئے۔"

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۔(xx)

"اور آپ مشرکین سے اعراض کیجئے۔"

پھر اللہ تعالی نے یہ حکم دیا کہ آپ (ﷺ) حکمت کے ساتھ نصیحت کرکے لوگوں کو دین کی طرف بلائیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (xxi)

"حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستہ کی طرف بلایئے اور ان پر احسن طریقہ سے حجت قائم کیجئے۔"

اس کے بعد اللہ تعالی نے یہ حکم دیا کہ مشرکین جنگ کی ابتداء کریں تو ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے۔ اس ضمن میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ.(xxii)

"اگر کفار تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ کرو۔"

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا۔ (xxiii)

"اگر وہ (کافر) صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔"

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابتداء مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ۔(xxiv)

"اور ان (کفار) سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ ان کا زور نہ رہے اور صرف اللہ کے دین کا نظام قائم ہو جائے۔"

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔(xxv)

"سو تم جہاں بھی مشرکین کو پاؤ، ان کو قتل کر دو۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب تک لوگ "لا الہ الا اللہ" کا اقرار نہ کر لیں، میں ان سے جنگ کرتا رہوں اور جب وہ اقرار کریں گے اور اپنی جان تو مال کو مجھ سے محفوظ کر لیں گے، البتہ جو ان پر حق ہو گا وہ وصول کیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ اس کے بعد مشرکین سے جہاد کی فرضیت برقرار رہی اور قیامت تک کے لیے جہاد فرض ہو گیا۔ نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث کیا ہے، اس وقت سے لے کر جب تک میری امت دجال سے جنگ کرے گی، جہاد جاری رہے گا۔ اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھے قیامت تک کے لیے تلوار کے ساتھ مبعوث کیا گیا ہے اور میرا رزق نیزوں کے سائے میں ہے اور جو شخص میری مخالفت کرے گا، اس کے لیے ذلت اور محکومی ہے، اور جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا اسی قوم میں شمار ہو گا۔ سفیان بن عینہ نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو چار تلواروں کے ساتھ مبعوث کیا ہے؛ ایک وہ تلوار ہے جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے خود بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا، دوسری وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے ساتھ جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۔(xxvi)

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

"تم ان سے جنگ کرتے رہو گے تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں گے۔"

تیسری وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوسیوں اور اہل کتاب کے ساتھ جنگ کی۔اللہ تعالی فرماتا ہے:

قَا تِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ۔(xxvii)

"ان لوگوں سے جہاد کرو جو اللہ پر ایمان نہیں لائے"

چوتھی وہ تلوار ہے جس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خارجیوں، معاہدہ توڑنے والوں اور حق کی مخالفت کرنے والوں سے جہاد کیا۔اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

فَقَا تِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓ ءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ ۔(xxviii)

"جو قوم باغی ہو اس سے اس وقت تک جنگ کرو حتی کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف واپس آجائے۔"(xxix)

استشراقیت کی اصطلاحی تعریف:

استشراقیت کی اصطلاح درج ذیل تین مختلف مفاہیم میں استعمال ہوتی ہے:

۱۔ تعلیمی مفہوم میں بمعنی مطالعۂ مشرقیت(Study of the orient)

۲۔ مشرقیت اور مغربیت میں امتیاز پر مبنی انداز فکر

۳۔ مشرقیت کی تشریح کے ضمن میں سماجی رویہ(Corporate institution)اور اسے استعمال میں لاکر مشرق پر قابو پانا اور کنٹرول کرنا۔ایڈورڈ سعید کے الفاظ میں "مشرق کا استحصال" (Manipulate)کرنا۔(xxx)

استشراقیت کا ارتقاء:

استشراقیت (Orientalism) ایک ایسی اصطلاح ہے جو عام اور مبہم یعنی غیر واضح ہے۔اس موضوع پر مشرق اور مغرب کے کئی علماء نے تحقیق کی ہے۔طباوی (Tibawi) وہ پہلا شخص ہے جس نے مستشرقین (Orientalists) اور استشراقیت پر کچھ نہ کچھ تحریر کیا۔ (xxxi) اس کے بعد اے۔اے۔ملک نے "استشراقیت بحران میں" (Orientalism in Crisis) کے عنوان پر ایک مضمون لکھا۔(xxxii)ان

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

تحریروں کے بعد ایڈورڈ سعید (Edward Said) نے استشراقیت پر ایک کتاب لکھی۔ جس کی اشاعت سے پہلے تک استشراق کو کوئی پذیرائی نہیں ملی تھی۔[xxxiii]

بنیادی طور پر ہمارا واسطہ استشراقیت کے علمی پہلو سے ہے، تاہم اس کا ادراک ہونا چاہئے کہ اس کے سیاسی پہلوؤں کو بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ استشراقیت کی اصطلاح ہماری جدید علمی دنیا میں (قابل تردید علمی دنیا میں) قابل ترجیح نہیں ہے کیونکہ اس اس سے مراد ایسا استشراق ہے، جو انیسویں صدی کے اوائل بیسویں صدی کے شروع میں یورپی افیسروں کے رویہ کا مظہر ہے کہ مغربی مستشرقین عربی اور اسلامی تعلیمات میں تصنیف کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دے چکے ہیں۔ ان کا شمار یوسف اسد داغر نے کیا ہے، وہ یہ ہیں:

I۔ مسلمانوں کی تہذیب کا مطالعہ۔

ii۔ عربی مخطوطوں کا ذخیرہ یورپی لائبریریوں میں۔

iii۔ مخطوطوں کی فہرست سازی۔

iv۔ مختلف اہم تصانیف کی اشاعت۔

v۔ مشرقی علماء کو سبق دینے کا طریقہ۔

vi۔ مستشرقین کے اجلاسوں کی تنظیم۔[xxxiv]

اس تحقیق کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ مغربی علماء نے اسلام کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کی شخصیت، پھر قرآن اور اس کے بعد تیرھویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی عیسوی تک مسلم فلسفیوں کے فلسفہ کا مطالعہ کیا۔ پندرھویں اور سولہویں صدی ہائے عیسوی میں انہوں نے باقاعدگی سے زبانوں پر توجہ مرکوز کی۔ انہوں نے ادب اور تاریخ کا انیسویں اور بیسویں صدیوں میں مطالعہ کیا۔ انیسویں صدی عیسوی کے آخری نصف تک مغرب نے اسلامی قانون اور اصولوں کو نہیں پڑھا تھا۔ اب وقت تھا کہ انہیں پڑھا جائے اور وضاحت کی جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیسیویں صدی کے آخری حصے میں شریعت کے زیادہ مطالعہ پر توجہ مرکوز رہی، تاہم اسے قطعاً حتمی اصول نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ کئی میدان باہم مربوط ہوتے ہیں اور ان میں پہلو بہ پہلو تحقیق ہو رہی ہوتی ہے۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

موجودہ دَور پھر سے یورپی اور امریکی اقتصادی استعمار کا دَور ہے۔دوستی کی آڑ میں مطلوبہ مقاصد پورے کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو دہشت و وحشت کے ذریعے غلام بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اسلام کے نظریۂ جہاد پر مستشرقین کے شبہات:

مستشرقین اور مغرب پرست لوگ بالعموم یہ شبہ کرتے ہیں کہ جب اسلام کا اصول یہ ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں ہے تو پھر جہاد کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیوں کہ جہاد تو جبر کی نشانی ہے اور یہ اس بات کی تائید ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے؟ دَورِ حاضر کے کئی مفسرین و مؤرخین نے مستشرقین کے اس شبہ کا جواب دیا ہے۔ صاحبِ ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمۃ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

" اسلام جس طرح یہ گوارہ نہیں کرتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا جائے اسی طرح وہ یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ کوئی اس کے ماننے والوں پر تشدد کر کے انہیں اسلام سے برگشتہ کرے، یا جو خوشی سے اسلام کی برادری میں شریک ہونا چاہتے ہیں، ان کو ایسا کرنے سے زبردستی روکا جائے اور اگر کہیں ایسی صورت پیدا ہو جائے تو اس وقت اسلام اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ ایسی حالت میں وہ ظالم قوت کا مقابلہ کریں، اور یہی اسلام کا نظریۂ جہاد ہے۔ اسلام کے بعض نکتہ چیں جہاد کو" لا اکراہ فی الدین '' سے تعبیر کرتے ہیں اور اس پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں، وہ سن لیں کہ اسلام ان کی خوشنودی کا پروانہ حاصل کرنے کے لیے اپنے ماننے والوں کو دشمنانِ دین وایمان کے جور و ستم کا تختۂ مشق بننے نہیں دے گا۔"(xxxv)

نظریۂ جہاد پر مستشرقین کے شبہات پر امین احسن اصلاحی کا نقطۂ نظر:

اسلام کے نظریۂ جہاد پر مستشرقین کے شبہات کے بارے میں امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں کہ:

" اسی طرح ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ محض کسی قوم کے اندر کفر کا وجود اس امر کے لیے کافی نہیں ہے کہ اسلام کے علمبرداران کے خلاف جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور تلوار کے زور سے ان کو اسلام پر مجبور کردیں۔ جہاد اصلاً فتنہ اور فساد فی الارض کے مٹانے کے لیے شروع ہوا ہے، اگر یہ چیز کہیں پائی جاتی ہے تو اہل ایمان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ استطاعت رکھتے ہوں تو وہ اس فتنہ اور فساد کو مٹانے کے لیے جہاد کریں۔"(xxxvi)

مفتی محمد شفیع کا نقطۂ نظر:

اسلام کے نظریۂ جہاد پر مستشرقین کے شبہات کے بارے میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں کہ:

'' اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبولِ ایمان پر مجبور کرنے کے لیے نہیں ہے اور نہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان ومال وآبرو کی حفاظت کرنے کے اسلامی احکام جاری ہونے کے لیے ہے، بلکہ دفع فساد کے لیے ہے کیونکہ فساد، اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جس کے کافر درپے رہتے ہیں۔''

علامہ غلام رسول کا نقطۂ نظر:

اسلام کے نظریۂ جہاد پر مستشرقین کے شبہات کے بارے میں علامہ غلام رسول لکھتے ہیں کہ:

''اسلام میں جہاد صرف مدافعانہ جنگ کے لیے نہیں ہے جیسا کہ علامہ ازہری نے لکھا ہے اور نہ صرف فتنہ اور فساد کو دُور کرنے کے لیے ہے جیسا کہ موخر الذکر علماء نے لکھا ہے بلکہ اسلام میں جہاد صرف اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَ قَا تِلُوْ هُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۔(xxxvii)

(اور کافروں سے قتال کرتے رہو حتی کہ کفر کا غلبہ نہ رہے اور پورا دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔)

اس آیت میں یہ واضح حکم دیا گیا ہے کہ جب تک کہ پورا دین اللہ کے لیے نہ ہو جائے اس وقت تک کافروں سے جنگ اور جہاد کرتے رہو۔امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ:''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کرتا رہوں جب کہ وہ لا الہ الا الہ محمد رسول اللہ کی شہادت نہ دیں، اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں۔ اگر انہوں نے ایسا کر لیا تو وہ مجھ سے اپنی جانوں اور مالوں کو بچالیں گے ماسویٰ اسلام کے حق کے، اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔''(xxxviii)

مشرکین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تک وہ اسلام نہ قبول کر لیں تو ان سے جہاد اور قتال کیا جائے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ خُذُوْهُمْ وَ احْصُرُوْهُمْ وَ اقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍفَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۔[xxxix]

''سوتم مشرکین کو جہاں پاؤ انہیں قتل کر دو،ان کو گرفتار کرو،ان کا محاصر کرو اور ان کی تاک میں ہر گھات کی جگہ بیٹھو ۔پس اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔''

اور اہل کتاب کے متعلق فرمایا کہ انہیں اسلام کی دعوت دو، اگر وہ نہ مانیں تو ان سے قتال کرو اور اگر وہ تمہارے ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔اس بارے میں فرمایا:

قَا تِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ۔[xl]

''ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں کہتے جس کو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے حرام کیا ہے اور دین حق کو قبول نہیں کرتے جو کہ ان لوگوں میں سے ہیں جو اہل کتاب ہیں حتیٰ کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''نبی ﷺ نے کسی قوم سے اس وقت تک قتال نہیں کیا جب تک ان کو اسلام کی دعوت نہیں دی۔'' حافظ الہثیمی لکھتے ہیں اس حدیث کو امام احمد،امام ابو یعلی،اور امام طبرانی نے کئی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام حمد کی سند صحیح ہے۔[xli]

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

''حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص کو کسی بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بناتے تو اس کو بالخصوص اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور اس کے ساتھی مسلمانوں کو نیکی کی وصیت کرتے، پھر فرماتے اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں جہاد کرو۔جو شخص اللہ کے ساتھ کفر کرے اس کے ساتھ جنگ کرو، خیانت نہ کرو، عہد شکنی نہ کرو، کسی شخص کے اعضاء کاٹ کر اس کی شکل نہ بگاڑو اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔جب تم دشمن مشرکوں (اہل کتاب) سے مقابلہ کرو تو

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

ان کو تین چیزوں کی دعوت دینا، وہ ان میں سے جس کو بھی مان لیں اس کو قبول کر لینا اور جنگ سے رُک جانا؛ پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام لے آئیں تو ان کا اسلام قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور ان سے یہ کہو کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر مہاجرین کے شہر میں آ جائیں، اور اگر وہ مہاجرین کے شہر میں آنے سے انکار کر دیں تو ان کو یہ خبر دو کہ پھر ان پر دیہاتی مسلمانوں کا حکم ہو گا، اگر وہ اس دعوت کو قبول نہ کریں تو پھر ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو تسلیم کر لیں تو تم بھی اس کو قبول کر لو اور ان سے جنگ نہ کرو اور اگر وہ اس کا انکار کریں تو پھر اللہ کی مدد کے ساتھ ان سے جنگ شروع کر دو۔''(xlii)

امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں:

''جنگ خیبر کے ایام میں جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا تو انہوں نے کہا کہ جب تک وہ مسلمان نہیں ہوں گے، ہم ان سے قتال کرتے رہیں گے۔ آپؐ نے فرمایا: اس طرح کرنا، حتیٰ کہ جب تم ان کے علاقہ میں داخل ہو تو (پہلے) ان کو اسلام کی دعوت دینا، اور ان کو یہ خبر دینا کہ ان پر کیا احکام واجب ہیں، اللہ کی قسم، اگر ایک شخص بھی تمہارے سبب سے ہدایت یافتہ ہو جائے تو وہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''(xliii)

مندرجہ بالا تفصیلی بحث و نظر کے بعد مستشرقین و معترضین کو سب سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ کفار کے خلاف جنگ اور جہاد کرنے میں اسلام تنہا اور منفرد نہیں ہے بلکہ موجودہ تورات میں بھی اپنے مخالف کفار کے ساتھ جنگ اور جہاد کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے اور موجودہ انجیل میں تصریح ہے کہ تورات کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہے۔ تورات کا یہ اقتباس ملاحظہ کریں:

''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دیں، اور اپنے پھاٹک تیرے لیے کھول دیں تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں، اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ تجھ سے لڑنا چاہیں تو ان کا محاصرہ کرنا اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا، لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لیے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو تیرے خدا نے تجھ کو دی ہو، کھانا اور ان سب شہروں کا یہی حال کرنا۔''(xliv) 44۔ کتاب

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

مقدس، نیاعہد نامہ استثناء، باب20،آیت10۔18، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انار کلی،لاہور، ص186

واضح رہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بھی کفار کے خلاف جہاد کا یہ حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہر گز نہ ٹلے گا جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے۔''(xlv) 45۔ کتاب مقدس، نیاعہد نامہ، متی، باب5،آیت17۔18، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی انار کلی،لاہور، ص8۔

جو غیر مسلم مستشر قین اسلام کے نظریۂ جہاد پر شبہات رکھتے ہیں، انہیں تورات اور انجیل کے مندرجہ بالا اقتباسات کو غور سے پڑھنا چاہئے۔

اب جہاد کے متعلق اسلام کا نظریہ ملاحظہ کریں:

جہاد کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمان مدافعانہ جنگ کریں۔ یہ جہاد ''فرضِ عین'' ہے۔اس کی مثال غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور غزوۂ خندق ہیں، اور ظاہر ہے کہ یہ ''لا اکراہ فی الدین'' کے خلاف نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی ہوش مند اعتراض کر سکتا ہے۔ جہاد کی دوسری صورت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا جائے اور یہ شرط استطاعت از خود کافروں کے ملک پر حملہ کیا جائے، یہ جہاد ''فرض کفایہ'' ہے۔ فتح مکہ، فتح طائف اور فتح خیبر میں اس کی مثالیں ہیں۔ بعد میں مسلمانوں نے مصر، شام، عراق، ایران اور بہت سے علاقوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جہاد کیا جس کے نتیجے میں دنیا کے تین براعظموں میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب مشرکین سے جہاد کیا جائے تو یا تو وہ اسلام قبول کریں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو پھر تلوار ہے، لیکن جب اہل کتاب کے ساتھ جنگ ہو تو پھر تین صورتیں ہیں: یا اسلام قبول کریں، یا جزیہ دیں، یا پھر جنگ کریں۔ اہل کتاب کے ساتھ جزیہ کی رعایت اس لیے رکھی گئی ہے کہ وہ اُلوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جزا و سزا اور حلال و حرام کے اصولی طور پر معترف ہیں، اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہو جائیں گے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہو گا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ اسلام کے مواقع میسر ہوں گے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد یا بہ دیر اسلام کو قبول کر لیں گے، اور ان کا اسلام کو قبول کرنا بہ رضا و رغبت

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

ہو گا اس میں جبر کا ہر گز کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ جہاد کی اس صورت پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اب صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے تبلیغ اسلام کے لیے مشرکین کے خلاف جہاد، کہ یا تو وہ اسلام قبول کر لیں، ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ اس پر بادی النظر میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ جبر و اکراہ ہے لیکن در حقیقت یہ بھی جبر نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کسی ملک کا باشندہ ہو، اس ملک کے بادشاہ کی مہیا کی ہوئی سہولیات وفوائد سے بہرہ اندوز ہوتا ہو، لیکن وہ اس ملک کے بادشاہ یا حکمران کی حکومت کو نہ مانے، اس ملک کے قوانین پر عمل نہ کرے اور اس کے برعکس اس حکومت کے مخالف اور دشمن ملک وحکومت کا علی الاعلان دم بھرتا ہو اور اس کی وفاداری کا اعلان کرتا ہو تو کیا اس کو غدار قرار دے کر قتل نہیں کیا جائے گا؟۔۔ کیا آج دنیا کے تمام مہذب ملکوں کا اس پر عمل نہیں ہے؟ ۔۔۔ اور اگر اس شخص سے یہ کہا جائے کہ یا تو تم اس ملک وحکومت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرو، ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ تو یہ کیوں عدل وانصاف کے مطابق نہیں ہے، جب کہ آج کی مہذب دنیا میں ایسے شخص کو یہ موقع دیئے بغیر قتل کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جو شخص اللہ کی بنائی ہوئی زمین میں رہتا ہے اور اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے لیکن وہ اللہ کو مانتا ہے نہ اس کے کسی اصول اور قانون کو، اور دنیا میں آسمانی مذاہب کی جتنی شکلیں ہیں ان میں سے وہ کسی کو بھی نہیں مانتا، تو اس سے یہ کہنا بجا اور عدل وانصاف کے مطابق ہے کہ یا تو اللہ کے دین کو قبول کر لو ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ، نیز جس طرح ہر حکومت میں ریاست کے غدار کی سزا موت ہے اسی طرح اسلام میں بھی مرتد کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے، اس کو تین دن موقع دیا جاتا ہے کہ وہ غور وفکر کرے اور اگر اس کو اسلام کے خلاف کوئی شبہ ہے تو اس کو زائل کیا جائے لیکن اگر وہ اس کے باوجود اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے جب کہ غدار وطن کے لیے یہ رعایت نہیں ہوتی۔ تمام مہذب دنیا میں جرائم پر سزاؤں کا نظام جاری ہے اور جب کسی قاتل، چور ڈاکو یا ریاست کے غدار کو سزا دی جائے تو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ جبر ہے اور حریتِ فکر اور آزادیٔ رائے کے خلاف ہے۔ اسی طرح جب مشرک کو ایمان نہ لانے پر جہاد میں قتل کیا جائے یا مرتد کو توبہ نہ کرنے پر قتل کیا جائے تو یہ بھی ان کے جرائم کی سزا ہے جبر نہیں ہے اور حریت فکر اور آزادی رائے کے خلاف نہیں ہے۔

شبہات:

شبہات میں سے ایک شبہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام اور آپؐ کے اصحاب متشدد تھے۔

مستشرقین، حضور اکرم ﷺ پر تشدد پسندی کا الزام لگاتے ہوئے مختلف واقعات جن میں غزوات و سرایا، اسیر انِ بدر کا قتل، کعب بن

اشرف اور چند یہودی سرداروں کا قتل، بنو قینقاع کا اخراج، بنو قریظہ کے خلاف کارروائی وغیرہ کا سہارا لیتے ہیں۔ اس ضمن میں یہ ہے کہ مستشرقین نے حق کے رُخِ زیبا کو شکوک وشبہات سے آلودہ کرنے کی ایک ناپاک جسارت کی ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے ۔اسلام نے جہاد کا حکم دے کر کوئی ایسا کام نہیں کیا جو پہلے نہ تھا۔ حضور اکرم علیہ السلام نے کوہِ صفا پر جو حق کی آواز بلند کی، اس آواز کو یہود و نصاریٰ نے دبانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ بلکہ کہنے لگے کہ الہامی دین صرف ہمارے ہیں، اسلام الہامی دین نہ ہے، کیوں کہ اس نے تو اہلِ ایمان کو تلوار اٹھانے کی اجازت دے رکھی ہے۔ خاص طور پر ہجرت کے بعد اور آپ ﷺ نے حق کی بلندی کے لیے جو مہمات روانہ کیں، ان کو مستشرقین ڈاکہ زنی کا نام دیتے ہیں۔ اور اس بارے میں یہ دلیل دیتے ہیں کہ ہجرت کے بعد مسلمانوں کا کوئی مستقل ذریعہ معاش نہ تھا، لہٰذا ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ عربوں کے دستور کے مطابق تجارتی قافلوں پر حملے کر کے ان کو لوٹیں، اس لیے اسلام نے اپنے بندوں کو جہاد کا حکم دیا ہے۔

اس بارے میں مستشرقین کی تحریروں کا مطالعہ ہی جواب کے لیے کافی ہے۔ مثلاً چارج سیل تسلیم کرتا ہے کہ تیرہ سالہ مکی دور میں مسلمانوں نے بے پناہ مظالم ہی برداشت کیے اور کمال صبر کیا، مزید براں اس عرصہ میں جو لوگ دین اسلام میں داخل ہوئے، وہ محض تبلیغ اسلام کے نتیجے میں ہوئے، اور کسی پر جبر واکراہ نہیں کیا گیا، لیکن بعض مستشرقین مسلمانوں کی تیرہ سالہ قربانیوں کو نظر انداز کر ہوئے کہتے ہیں کہ اس وقت مسلمان کمزور تھے اور مسلمانوں کے مخالف طاقت ور تھے، اس لیے تلوار کا استعمال نہیں کیا، بعد میں جب مسلمانوں کے پاس طاقت آگئی، تو انہوں نے جارحیت اپنا لی۔

جارج سیل کی وضاحت پیش کی جاتی ہے، وہ لکھتا ہے کہ:

> "But this great passiveness and moderation seems entirely owing to his want of power, and the great superiority of his opposers for the first twelve years of his mission; for no sooner was he enabled, by the assistance of those of Medina, to make head against his enemies, than he gave out, that God had allowed him and his followers to defend themselves against the infidels; and at length as his forces increased, he pretended to have the divine leave even to attack them,

and to destroy idolatry, and set up the true faith by the sword."(xlvi)

(لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ اپنی دعوت کے پہلے بارہ سالوں میں آپ (ﷺ) کا یہ غیر مزاحمانہ اور معتدل رویہ، محض اس وجہ سے تھا کہ آپ (ﷺ) بہت کمزور تھے اور آپ (ﷺ) کے مخالفوں کی طاقت آپ (ﷺ) کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ کیونکہ جوں ہی آپ (ﷺ) اہل مدینہ کے تعاون سے اس قابل ہوئے کہ دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکیں تو آپ (ﷺ) نے فوراً یہ اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو اور آپ (ﷺ) کے پیروکاروں کو کافروں کے خلاف اپنے دفاع کی اجازت دے دی ہے۔ اور جب آپ (ﷺ) کی طاقت میں اضافہ ہوا تو آپ (ﷺ) نے یہ بہانہ بھی کیا کہ آپ (ﷺ) کو دشمنوں پر حملہ کرنے، بت پرستی کو تباہ کرنے اور تلوار کے زور پر اپنے دین کو قائم کرنے کی اجازت بھی بارگاہِ خداوندی سے مل گئی ہے۔)

منٹگمری واٹ اسلامی جہاد کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"Another point was doubtless present in Muhammad's mind. He forbade fighting and raiding between Muslims, and consequently, if a large number of Arab tribes accepted Islam or even merely accepted Muhammad's leadership, he would have to find an alternative outlet for their energies. Looking ahead, Muhammad probably realized that it would be necessary to direct the predatory impulses of the Arabs outwards, towards the settled communities adjacent to Arabia, and he was probably conscious to some extent of the development of the route to Syria as a preparation for expansion."(xlvii)

"بلا شک وشبہ ایک اور نکتہ بھی محمد (ﷺ) کے ذہن میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کو باہم لڑائی کرنے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اگر عرب کے قبائل کثرت سے اسلام قبول کر لیتے یا محض محمد (ﷺ) کی قیادت کو تسلیم کر

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

لیتے ،تو آپ(ﷺ) کے لیے ضروری تھا کہ آپ (ﷺ)عربوں کی قوت کے اظہار کے لیے کوئی متبادل راستہ تلاش کرتے۔غالباًمستقبل کے متعلق سوچتے ہوئے آپؐ نے یہ محسوس کیا ہو گا کہ عربوں کے غارت گرانہ رجحانات کارُخ خارج کی طرف موڑ ناضروری ہو گا،ان پُرامن علاقوں کی طرف جو عرب سے ملحق تھے،اور غالباًاپنی مملکت کی حدود کو وسیع کرنے کی خاطر،شام کے راستے پر آپؐ کی خصوصی نظر ہو گی۔''

اسلام ایک مکمل دین ہے اور دین کا تعلق انسانی زندگی کے ہر شعبہ سے ہوتا ہے۔دین کو صرف چند عبادات اور کسی فرد کے روحانی تجربات تک محدود رکھنااور زندگی کے باقی معاملات سے دین کو خارج کر دینا،الحادہی کی ایک قسم ہے۔اسلام کے نزدیک دینی زندگی اور دنیوی زندگی کی تفریق کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔اسلام انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبے کے متعلق ہدایات مہیا کرتا ہے۔ان ہدایات پر ایمان لاکر ان کے مطابق زندگی گزارنا،دینداری ہے،اور ان ہدایات کاانکار کرنایاان کو نظرانداز کرنا،لادینیت ہے۔ تلوار کااستعمال اگر دین کی تعلیمات کے مطابق ہے تووہ دینداری کے زمرے میں داخل ہے اور اگر اس کااستعمال دین کی تعلیمات کے خلاف ہے تو یہ دین کی مخالفت ہے۔

حضور اکرم ﷺ سے پہلے جو انبیائے کرام علیہم السلام تشریف لائے ان کے نزدیک بھی دین فرد کے چند روحانی تجربات تک محدود نہ تھا،بلکہ ان کے نزدیک بھی دین ایک ضابطۂ حیات تھا،جو زندگی کے تمام شعبوں کو محیط تھا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام، باطل قوتوں کے خلاف بر سرِ پیکار نظر آتے ہیں۔اس کائنات میں حق و باطل کی آویزش کی مذموم کوشش روزِ اوّل سے جاری ہے۔دونوں قوتیں اپنے حریف کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔ نظریات اور مفادات کے تصادم کے سبب افراد اور اقوام ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں اور اپنے مد مقابل کو شکست دینے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں۔اس ہمہ گیر آویزش کے دوران کسی فرد یا جماعت کو تلوار کے استعمال سے روک دینا،اس کو زندگی کے حق سے محروم کرنے کے مترادف ہے.

مستشرقین کے جہاد کے بارے میں شبہات میں سے ایک شبہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں تلوار کااستعمال کیوں؟

اس بارے میں مستشرقین نے درج ذیل دواسباب خود تراشے ہیں:

۱ ۔ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

۲۔ جہاد کے نام پر سرمایہ اکٹھا کرنا۔

مستشرقین کی یہ تحقیق محض ایک مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ کسی انسان کو بزورِ تلوار اسلام میں داخل کرنا ممکن ہی نہیں،اس لیے کہ اسلام کی بنیاد ایمان پر ہے اور ایمان کا تعلق دل سے ہے،اور یہ ایمان کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ شمشیر کا اثر تو ظاہری جسم پر ہوتا ہے دل پر نہیں، تلوار کے ذریعہ زبان کی حد تک کلمہ پڑھوایا جاسکتا ہے لیکن کسی انسان کے دل میں عقیدۂ توحید و رسالت کا بیج نہیں بویا جاسکتا۔ جو شخص تصدیق بالقلب نہ کرے وہ اسلامی اصطلاح میں مسلمان نہیں بلکہ منافق ہے اور منافق،اسلامی نقطۂ نظر سے کافر سے بھی بڑھ کر ہے،تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمان تلوار کے زور سے لوگوں کو منافق بناتے پھریں۔ مزید یہ کہ مستشرقین یہ بھی جانتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے منافق، حضور اکرم علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے مکۃالمکرمہ کے مشرکین اور خیبر کے یہودیوں سے کم نہ تھے،نہ اس میں مسلمانوں کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی اس میں سماجی مسائل کا حل ہے،اسلام دین حکمت ہے وہ کسی بے مقصد کام کا حکم نہیں دے سکتا کہ لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا جائے،قرآن و حدیث اس پر شاہد وعادل ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۔[xlviii]

”دین میں زبردستی نہیں۔“

اور یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت کے جو جلوے بذریعہ وحی الٰہی آپ ﷺ کے قلبِ انور پر ظاہر ہوئے،آپ ﷺ صرف لوگوں تک وہ پہنچانے کے پابند ہیں تاکہ لوگوں کو حق اور باطل میں امتیاز ہو سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَذَكِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ [xlix]

”پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام سمجھانا ہی ہے آپ جبر سے تو منوانے والے نہیں ہے۔ “

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ۔ [l]

”ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ (ﷺ) ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ پس آپ (ﷺ) نصیحت کرتے رہیے اس قرآن سے ہر اس شخص کو جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے۔“

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

قرآن حکیم کی یہ آیاتِ کریمہ وضاحت سے حضور اکرم ﷺ اور آپؐ کی اُمت کو حکم دے رہی ہیں کہ وہ کسی کو مسلمان بنانے کے لیے طاقت کا استعمال نہ کریں۔ حضور اکرم ﷺ اللہ تعالی کے حبیب اور اولوالعزم رسول ہیں، آپؐ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو جن کاموں سے منع فرمایا تھا، آپ ﷺ خدا کو راضی کرنے کے لیے وہی کام کرتے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے ایک ایک ارشاد پر پورا پورا عمل کیا۔ آپ ﷺ نے اپنا فریضۂ تبلیغ کماحقہ ادا کیا اور تبلیغ کے بعد اس بات کو سننے والوں پر چھوڑ دیا کہ وہ اس دعوت کو قبول کریں یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ حضور ﷺ نے کسی ایک شخص کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا۔ اس امام محمد ابو زہرہؒ لکھتے ہیں:

لَمْ يَثْبُتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَ كْرَهَ أَحَدًا عَلَى الدِّينِ بَلْ ثَبَتَ أَ نَّهُ أَرَادَ بَعْضُ الْأَنْصَارِ أَنْ يُكْرِهِ وَلَدَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ۔ ([li])

"یہ بات ثابت نہیں کہ حضور ﷺ نے کسی شخص کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ بعض انصار نے اپنے بچوں کو زبردستی حلقۂ اسلام میں داخل کرنے کا ارادہ کیا تو حضور ﷺ نے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا۔"

کسی کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی اسلام نے مسلمانوں کو ایسا کرنے کی اجازت دی تھی۔ اس لئے مسلمانوں پر یہ الزام نہیں لگایا جاسکتا کہ انہوں نے لوگوں کو جبراً مسلمان بنایا، البتہ اس بات میں شک نہیں کہ جن لوگوں نے مسلمانوں کو محض مسلمان ہونے کے جرم میں مظالم کا نشانہ بنایا، انہیں اپنے دین سے پھیرنے کی کوشش کی، تبلیغ اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور حق کی آواز کو اپنی طاقت کے زور سے دبانے کی کوشش کی، اسلام نے ان لوگوں کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کی نہ صرف اجازت دی بلکہ حکم دیا اور اس راستے میں جان کی قربانی کو مومن کا عمدہ ترین عمل قرار دیا۔ مسلمانوں نے طویل مدت تک مسلسل مظالم سہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم سے جہاد کیا۔ وہ انہی قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہوئے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے راستے میں مزاحم ہونے کی کوشش کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جو لوگ طاقت کی زبان بولنا چاہتے تھے، ان کو دلیل سے مطمئن کرنے کی کوشش کرنا عبث تھا۔ اذنِ جہاد کے بعد جو لوگ مسلمانوں کے خلاف آمادہ جنگ ہوئے، مسلمانوں نے ان سے جنگ کی اور جن لوگوں نے جنگ سے ہاتھ روک لیا، مسلمانوں نے ان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔ مسلمانوں نے حبشہ کے خلاف لشکر کشی نہیں کی، حالانکہ وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نہ تو وہ مسلمانوں کے راستے میں مزاحم ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے مسلمانوں پر مظالم توڑے تھے۔

کسریٰ کے خلاف مسلمانوں نے اس لیے تلوار اٹھائی تھی کہ اس نے یمن کے والی کو حضور اکرم ﷺ کو سبق سکھانے یا آپ ﷺ کی شمع حیات کو گل کر دینے کا حکم بھیجا تھا۔ مسلمان رومیوں کے مقابلے میں اس لیے آئے تھے کہ انہوں نے اپنے فوجی دستے تبوک بھیجے تھے اور مسلمانوں کا لشکر کہ انہوں نے اپنے فوجی دستے جوک بھیجے تھے اور جب تبوک پہنچا تھا تو وہاں سے جنگ کیے بغیر مدینہ طیبہ واپس اس لیے چلا گیا تھا کہ انہیں پتہ چل گیا تھا کہ رومی جنگ کی تیاری نہیں کر رہے۔

خلاصہ بحث:

اسلام ایک ایسا دین ہے جو خود بھی سراپا سلامتی اور دوسروں کو بھی امن و سلامتی، محبت و رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام اپنے معنی اور عنوان کے لحاظ سے کلیتاً امن و سلامتی، خیر و عافیت اور حفظ و امان کا نام ہے دوسرے لفظوں میں اسلام فساد و ہلاکت سے نہ صرف محفوظ ہے بلکہ ہر ایک کو محفوظ رکھنے کا نام ہے اور قطعاً کسی فساد انگیزی، تباہی و بربادی و انتشار کی گنجائش نہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا ہر پہلو انتہا پسندی اور دہشت گردی کی نفی کرتا ہے۔ ایک مومن کا قتل پوری دنیا کی تباہی سے بڑا گناہ ہے جو لوگ اپنی دہشت گردانہ کارروائیوں کے ذریعے نے ہزاروں مسلمانوں کی قتل و غارت گری میں مصروف ہیں وہ کیسے امن و سلامتی کے خواہاں ہیں۔ مسلمانوں کا قتل عام پر کفریہ فعل ہے حضور اکرم ﷺ نے مسلمانوں کا خون بہانے اور ان کو قتل کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کو نہ صرف کفریہ قرار دیا ہے بلکہ اسلام سے واپس کفر کی طرف پلٹ جانا قرار دیا ہے اور اصطلاح شریعت میں اس کو ارتداد کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ عبداللہ بن عباس روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

لا یرتدبعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض۔[lii]

" تم میرے بعد ایک دوسرے کو قتل کرنے کا سبب کفر کی طرف نہ لوٹ جانا۔"

اسلام کسی قسم کی دہشت گردی قتل و غارت کی اجازت نہیں دیتا کیا بلکہ بلکہ حدود و قیود میں ہر ایک کو تحفظ فراہم کرتا ہے مستشرقین محض الزام تراشی کرتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published:
June 26, 2025

حوالہ جات:

i. البقرۃ : 208

ii. ترمذی،ابو عیسی محمد بن عیسی،السنن الترمذی،بیروت،لبنان،داراحیاءالتراث العربی،رقم:2627

iii. الانعام:54

iv. ازہری،ابو منصور بن احمد،تھذیب اللغۃ،292/4

v. الانعام:127

vi. یونس:25

vii. الشعراء:89

viii. البقرۃ:71

ix. ابن منظور،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم،لسان العرب،بیروت،لبنان،دار صادر، 297/12

x. ترمذی،ابو عیسی محمد بن عیسی،السنن الترمذی،بیروت،لبنان،داراحیاءالتراث العربی،رقم:2627

xi. بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الصحیح البخاری،بیروت،لبنان،داراحیاءالتراث العربی،رقم:11

xii. قشیری،ابوالحسین مسلم بن حجاج،الصحیح المسلم،بیروت،لبنان،داراحیاءالتراث العربی،رقم:2564

xiii. التوبہ:79

xiv. حج:78

xv. بخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم،الصحیح البخاری،مطبوعہ نور محمد اصح المطابع،کراچی،ج:1ص:433

xvi. زبیدی،سید محمد مرتضیٰ حسین،تاج العروس شرح القاموس،مصر،مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ،ج:2ص:330

xvii. عینی،علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد،عمدۃ القاری،مصر،مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ،ج:14،ص:78

xviii. آل عمران:110

xix. الحجر:85

xx. ایضاً:93

xxi. النحل:125

xxii. البقرۃ:191

xxiii. الانفال:61

xxiv. البقرۃ:193

xxv. التوبہ:5

xxvi. فتح:16

xxvii. التوبہ:29

xxviii. الحجرات:9

xxix. سرخسی،محمد بن احمد،المبسوط،بیروت،مطبوعہ دار المعرفہ،ج:1،ص:2-3

Maarif-e Auliya
Research Journal
Vol-3 Issue-2 (April-June, 2025)
ISSN: (2311-6552)
Published: June 26, 2025

[xxx]. Bosworth, C. E., "Orientalism and Orientalists," Arab Islamic Bibliography, ed. Grimwood, (Sussex, Harvester Press, 1974), 148-56.

[xxxi]. Tibawi, A. L., "English Speaking Orientalists, The Muslim World, LIII13-4 (1963), 185-204; 298-313: Islamic, Quarterly, VIII/3-4 (1964), 23-45; 73-88; Second Critique of English Speaking Orientalis/s, (London: Islamic Cultural Center, 1979)

[xxxii]. Malek, A. A., "Orientalism in Crises," Diagnose, 44, (1963), 103-40.

[xxxiii]. Said, E. W., Orientalism, (New York: Panthon Books, 1978).

[xxxiv]. Lewis, B., "The Question of Orientalism, "New York Review Books, June 24, (1982), 49-56; The Muslim World, Lxv, 1, (1975), 69.

[xxxv]. الازہری، پیر محمد کرم شاہ، ضیاءالقرآن، مطبوعہ ضیاءالقرآن پبلیکیشنز لاہور، ج:1، ص:179

[xxxvi]. اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، مطبوعہ فاران فاؤنڈیشن، لاہور،، ج:1، ص:594

[xxxvii]. الانفال:39

[xxxviii]. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الصحیح البخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطالع، ج:1ص:8

[xxxix]. التوبہ:5

[xl]. ایضاً :29

[xli]. مجمع الزوائد، بیروت، مطبوعہ دارالکتب العربی، ج:5، ص:304

[xlii]. قشیری، ابوالحسین مسلم بن حجاج، الصحیح المسلم، کراچی، مطبوعہ نور محمد اصح المطالع، ج:2، ص:82

[xliii]. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الصحیح البخاری، مطبوعہ نور محمد اصح المطالع، ج:1ص:413

[xliv]. ایضاً

[xlv]. ایضاً

[xlvi]. محمد پرافٹ اینڈ سیمین، آکسفورڈ یونیورسٹی، پریس کراچی، ص، 108

[xlvii]. منٹگمری واٹ، محمد ایٹ مدینہ، آکسفورڈ یونیورسٹی، پریس کراچی۔1981، ص338

[xlviii]. البقرۃ:256

[xlix]. الغاشیہ:22-21

[l]. ایضاً

[li]. مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، مولانا، خاتم النبیین ﷺ، ادارہ ترجمۃ القرآن، لاہور، ج2، ص583

[lii]. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، الصحیح البخاری، کتاب الفتن، رقم7066